© rasailojaraid.com

عباداللہ فاروقی

فکرِ ولی اللٰہی

ایک جائزہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ اورنگ زیب کے دورِ حکومت میں ۱۱۱۴ھ میں پھلت ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے پدرِ بزرگوار شیخ عبدالرحیم ا شیخ ابوالرضا محمد سے حاصل کی اور اپنے والد کی وفات کے بعد مدرسۂ رحیمیہ کی مسندِ پر جلوہ افروز ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ حجازِ مقدس تشریف لے گئے تاکہ علومِ حدیثیہ تامّہ حاصل کر سکیں۔ حرمین شریفین میں آپ کو نہایت ہی قابل اساتذہ میسر آ حضرت شاہ ولی اللہؒ جیسے شاگرد سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ آپ کے ایک الشیخ علی الکردی تو یہاں تک فرمایا کرتے تھے کہ

"ولی اللہ مجھ سے لفظوں کی سند لیتے ہیں اور میں ان سے معنوں کی سند لیتا ہوں"۔

حجاز میں دو سال کے قیام کے بعد جب آپ واردِ ہند ہوئے تو آپ نے آ اپنے فکر کی تدوین شروع کر دی۔ قرآن مجید کا ترجمہ سفرِ حجاز سے پہلے ہی شروع کر واپس آکر اس کی بھی تکمیل کی۔ یہ ترجمہ قرآن حکیم کا اولین ترجمہ خیال کیا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اٹھارہویں صدی میں جب حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنے فکر کی تدوین شروع کی تو اس برعظیم میں مغربی افکار کی، جس کی بنیاد مادیت پر تھی، پرتگیزیوں، ولندیزیوں، فرانسیسیوں اور انگریزوں کے ذریعہ نشر و اشاعت شروع ہو چکی تھی۔ اور سب سے بڑا المیہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی حکومت تقریباً سات صدیوں کے غلبے کے بعد دم توڑ چکی تھی۔ اس طوائف الملوکی کے دور میں شاہ صاحبؒ کی زندگی میں دس بادشاہ یکے بعد دیگرے تختِ دہلی پر بیٹھے۔ مسلمانوں کی اخلاقی و معاشی بدحالی کا منظر شاہ صاحب نے بچشم خود دیکھا۔ نادر شاہ کے حملوں سے مغلیہ سلطنت کا چراغ گل ہو رہا تھا اور ان پرآشوب حالات میں مرہٹے اور دیگر غیر مسلم طاقتیں اپنا زور پکڑ رہی تھیں۔ ان حالات میں شاہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی (درّانی) کو دعوتِ جہاد دی۔ چنانچہ وہ ۱۷۶۰ء میں وارد ہند ہوا اور پانی پت کے میدان میں جنوری ۱۷۶۱ء میں مرہٹوں کو شکستِ فاش دی۔ اس واقعہ کے ایک سال بعد یعنی ۱۷۶۲ء میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کا انتقال ہو گیا۔

علمی میدان میں شاہ صاحب نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کی نظیر نہیں ملتی۔ انھوں نے ایک پرخلوص محقق کی حیثیت سے متقدمین کے کارناموں کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ دقت کے ساتھ ان کے افکار کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش بھی کی ہے۔ انھوں نے متقدمین کے افکار کی تحلیل کر کے ان کو موجود الوقت معاشرے کے حالات کے مطابق بنانے کے لیے ان کی عقلی توضیح کی ہے۔ اس عمل میں ان کی قرآن دانی کا پورا پورا پتہ چلتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے قدیم افکار کا جائزہ لیتے ہوئے جو باتیں تحقیق، استقراء و تجزیہ پر صحیح اتریں انھیں قبول کر لیا جو باتیں پوری نہ اتریں انھیں رد کر دیا۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کا علمی کام آپ کے فرزندانِ جلیل شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالغنیؒ نے اور ان کے بعد شاہ عبدالغنیؒ کے فرزند جلیل مولانا محمد اسمٰعیل دہلویؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کے مرید مولانا سید احمد بریلویؒ نے جاری رکھا، یہاں تک کہ ۱۸۳۱ء میں سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے بالاکوٹ کے حادثے میں

[illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسکے بعد یہ تحریک مغربی پاکستان کے موجودہ علاقہ میں اپنا کام کرتی رہی اسکی دو
شاخ بنگال میں فرائضی اور تیتو میر کی تحریک کی شکل میں اب تک زندہ ہے۔
ان دونوں قطبین کے بیچ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی
اللہ مکی (شاگردان رشید و مریدان شاہ عبدالغنیؒ ابن حضرت شاہ ولی اللہؒ اور شاہ محمد
نواسہ شاہ عبدالعزیزؒ) نے دیوبند میں اس تحریک کا مرکز قائم کیا جس نے
کی تحریکِ آزادی میں نمایاں حصہ لیا۔ اس تحریک کے ایک صاحب فکر مولانا
سندی بھی تھے۔ جنھوں نے ۱۹۲۶ء میں استنبول سے تقسیم ہند کا منشور شائع کی
سے مملکت پاکستان کا تصور پیدا ہوا۔

جیسا کہ گذر چکا ہے شاہ صاحب ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جب یورپ
وسطیٰ کا خاتمہ ہوا تھا اور نئے دور کا آغاز ہو رہا تھا بدقسمتی سے نئے دور کا آغاز اہل علم
کلیسا کی باہمی آویزش کا رہین منت تھا اس دور میں اہل علم نے کلیسا دشمنی کی
انسانیت عامہ کو مادہ پرستی اور مذہب دشمنی کی راہ پر ڈال دیا۔

برِ عظیم ہند میں بھی انگریزوں فرانسیسیوں اور ولندیزوں کی آمد سے نئے خیالات
کرنے لگے تھے غرضیکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب سے نئے خیالات ابھر رہے تھے ماضی
اور غیر مذہبی تحریکیں کسی نہ کسی صورت میں موجود تھیں، اس صورت حال میں حضر
صاحب کیلئے نہ تو ماضی کے سارے ورثے کو من وعن قبول کرنا ممکن تھا اسے
کرنا انسانی تقاضوں کے مطابق نظر آتا تھا بنا برآں شاہ صاحب کی ذات گرا
کا عنصر بہت شدت سے کارفرما نظر آتا ہے جس کی وجہ سے وہ ماضی اور حال کے
قدرِ مشترک کے ذریعے سے اسطرح مربوط کر دیتے ہیں کہ غیر مرئی مستقب
کر نظر آنے لگتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ شاہ صاحب کے فلسفے کی بنیاد انضمامی فکر اور
عامہ پر ہے اس سے ان کی سیاست، معاشیات، طبیعات، مابعد الطب
تفسیر [illegible] ہیں اور یہی ہمارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جدید تعمیر کی بنیاد بننی چاہیئے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فکر کا جائزہ

شاہ صاحبؒ کے فکر کا غائر مطالعہ اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ ان کے ہر موضوع تحریر کی ساخت، متن اور معنیٰ میں عمرانیت جلوہ گر ہے۔ شاہ صاحبؒ نے جن موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، وہ ان سب کو معنوی حیثیت سے ملاتے ہیں مثلاً ان کی سیاسیات کی بنیاد اسی حقیقت پر ہے جس پر ان کی اخلاقیات اور تاریخ مبنی ہے، ان کی معاشیات کی وہی اساس ہے جو ان کی سیاسیات و اخلاقیات کی ہے۔ غرض ان کے افکار کا یہ انضمامی پہلو ان کی ہر ایک تحریر سے نمایاں ہوتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک علم کا مقصد غائی یہ ہے کہ معاشرے میں تہیج حرکت اور ترقی کے میلانات ہوں اور انھیں افراد اور معاشرے کو بہتر بنانے کے لیے کام میں لایا جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے نہ صرف ماضی کے معاشرتی حالات کا مطالعہ کیا ہے، بلکہ اپنے زمانے کے معاشرتی حالات کا بھی گہرا جائزہ لے کر مستقبل کے لیے رہنمائی کی ہے چنانچہ وہ معاشرے کے بگاڑ کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے رومی اور ایرانی شہنشاہی معاشرات کا مطالعہ پیش کرتے ہیں اور آخر میں کہتے ہیں کہ

وما تراہ من ملوک	شہنشاہی دلّی کے معاشرے کا مطالعہ
بلادک یغنیک عن حکایاتھم۔	کر لیا جائے تو رومی اور ایرانی معاشروں کا
(حجۃ اللہ البالغہ۔ جلد ا صفحہ ۵۰)	حال خود بخود کھل جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے معاشرے کے اجزا کو ایک اصول کلی کی نظر سے دیکھ کر ان اجزا پر تحلیلی نظر ڈالی ہے۔ (ملاحظہ تفہیمات الٰہیہ جلد دوم۔ جہاں وہ معاشرے کے مختلف گروہوں سے خطاب کرتے ہیں) اس قسم کے تحلیلی اور ترکیبی مطالعہ میں جامعیت کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے اور انضباط کو بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہ صاحبؒ کے ثقافتی انضمام کی مثال یہ ہے کہ وہ عیسیٰ ثقافت (جس کے مطابق دنیا مایہ ہے اس میں دل نہیں لگانا چاہیے) اور ہستی ثقافت کو جس کے مطابق جو کچھ ہے مادّی دنیا ہی ہے اس دنیا سے ماوراء کچھ نہیں ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق جمع کرتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ معاشرے کے امراض کا نہ صرف تجزیہ کرتے ہیں بلکہ ہر ایک جزو کو کل سے ملا کر قدرِ معنویت متعین کرتے ہیں اور آخر میں فیصلہ صادر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اگر مرض پیدا ہوگیا ہے تو اصلاحی تدابیر اختیار کر کے مرض کا ازالہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ پھر وہ اس میں ظن و تخمین سے کام نہیں لیتے بلکہ حقائق نفس الامری اور تاریخی واقعات سے استدلال کرتے چلے جاتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ کے زمانہ میں یونان اور ایران کے افکار کا غلبہ تھا اور مسلمان اپنی علمی عظمت کو منانے اور منوانے کے بجائے یونان اور ایران کی عظمت علمی کو تسلیم کرچکے تھے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک یہ بے بصری ہے۔ ان کے نزدیک یونانی اور ایرانی تہذیبیں عظیم و بلند ہونے کے باوجود معنویت سے خالی تھیں۔ اس خلا کو اسلامی تہذیب اور علوم نے پورا کیا۔ وہ چیز جس سے اسلامی تہذیب اور علوم میں قدرِ معنویت پیدا ہوئی ہے۔ وہ توحید و رسالت کے اصول ہیں ان دونوں کے امتزاج کے ساتھ اسلامی علوم کا وجود سابقہ علوم کی تکمیل تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ دو متخاصم عمرانی نظریات میں توازن پیدا کرتے ہیں اور یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ عمرانیات جدید کے ایک مذہب کا تعلق صرف حسیات اور جنسیات کے ساتھ ہے۔

(ب) اور دوسرے مذہب کا تعلق صرف ماورائے مادیات کے ساتھ ہے پہلا مذہب دنیاوی لذات کو حقیقی تصور کرتا ہے اور حیات بعد الممات کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے برخلاف دوسرا مذہب اس امر پر مبنی ہے کہ دنیا مایہ ہے۔ اس سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے "ترکِ دنیا" موت کے بعد زندگی شروع ہوتی ہے اور وہی صحیح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

hone: 24
M

...گی ہے۔

ان دو متخاصم اور جدلی افکار کے مقابل حضرت شاہ صاحبؒ نے جس عمرانیات کی بنیاد رکھی ہے وہ انضمامی بھی ہے اور مربوط بھی۔ اس میں توحید کا نظریہ شانِ وحدت پیدا کرتا ہے۔ شاہ صاحبؒ کے نزدیک دین اور دنیا اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی عمرانیات کے دو حصے ہیں :-

(۱) ارتفاقاتِ معاشیہ اور (۲) ارتفاقات معادیہ (یا اقترابات)

شاہ ان دونوں کو باہمی مربوط اور ایک دوسرے کا جزو مانتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ کا نظریۂ ارتفاقات

شاہ صاحبؒ کی اصطلاح "ارتفاق" لفظ "رفق" سے مشتق ہے۔ جہاں رفق کی خارجی سطح پر رفاقت باہمی سے معاشرتی ادارت کی صورت گری ہوتی ہے وہاں اس کی تہ میں معنویت اور روحانیت کے عوامل بھی پوشیدہ ہیں اس لیے ارتفاق سے مراد جہاں یہ ہے کہ انسان کو معاشی اور معاشرتی زندگی میں جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ ان کے حل دریافت کر لیتا ہے وہاں اس لفظ میں وہ روحانی رشتے بھی پوشیدہ ہیں جو دو نفوس کو ایک انسانی مقصد حاصل کرنے کے لیے متحد الخیال، متحد الفکر اور متحد العمل کر دیتے ہیں گویا شاہ صاحب کی یہ اصطلاح ارتفاق ظاہری و باطنی معنوں کی حامل ہے۔ مغربی حکماء کی طرح وہ صرف معاشرے کی ظاہری، معاشی و سیاسی صورت گری تک پہنچ کر رک نہیں جاتے بلکہ ارتفاقات کی تہ میں پہنچ کر ان کی داخلی معنویت کا بھی سراغ لگا لیتے ہیں۔ یہ شاہ صاحبؒ کا وہ انقلابی نظریہ ہے جو ان کی عمرانیات کو جدید عمرانیات سے امتیاز بخشتا ہے۔

---

itle Pr

© rasailojaraid.com